محمد اسحاق بھٹی

مولانا محمد حنیف ندوی کی تصنیفی خدمات ادارہ ثقافت اسلامیہ کے لیے

ادارہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۵۰ء میں قائم ہوا۔ اس کے بانی ڈائریکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم تھے۔ اس زمانے میں مولانا محمد حنیف ندوی گوجرانوالہ میں اقامت گزیں تھے اور ہفت روزہ "الاعتصام" کے ایڈیٹر تھے جو اُن دنوں گوجرانوالہ سے شائع ہوتا تھا۔ میں اس اخبار کا معاون ایڈیٹر تھا۔ خلیفہ صاحب مرحوم کو مولانا کی منزلتِ علمی کا پتا چلا تو انھیں ادارہ ثقافت اسلامیہ میں تشریف لانے کی دعوت دی۔ مولانا لاہور آئے اور خلیفہ صاحب سے ملے۔ گفتگو ہوئی تو انھوں نے مولانا سے ادارے کے اغراض و مقاصد بیان کیے اور اس سے وابستگی اختیار کرنے کی درخواست کی۔ یہ اوائلِ مئی ۱۹۵۱ء کی بات ہے۔

خلیفہ صاحب سے ابتدائی گفتگو کے بعد مولانا نے ان کی پیش کش کے تمام پہلوؤں پر غور کیا اور ۱۵۔ مئی ۱۹۵۱ء کو ادارہ ثقافت اسلامیہ سے وابستہ ہو گئے۔ اس وقت مولانا کی عمر تینتالیس ۴۳ برس کی تھی۔ اس وقت سے اب (۲۰۔ ستمبر ۱۹۸۶ء) تک جب کہ یہ سطور لکھی جا رہی ہیں، مولانا ادارے سے منسلک ہیں۔ شمسی حساب سے اس پر پینتیس ۳۵ برس چار مہینے پانچ دن کا عرصہ گزر چکا ہے۔

اس اثنا میں مولانا نے ادارہ ثقافت اسلامیہ کے لیے پندرہ کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں بعض کتابیں وہ ہیں، جنھیں عربی سے اردو میں منتقل کیا اور پاکستان کی قومی زبان کو نئی اصطلاحات، نئے اسلوب اور نئے علوم و فنون سے روشناس کرایا۔ اس طرح انھوں نے جہاں علوم و فنون کی گراں مایہ خدمت انجام دی، وہاں اردو زبان کو بھی ایک نیا آہنگ اور نیا عنوان عطا کیا۔ عربی زبان کو بھی لغت و لحن کے خاص میدان سے نکال کر اصحابِ تحقیق و کاوش کے نئے حلقے سے متعارف کرایا۔ اس اعتبار سے کہنا چاہیے کہ عربی اور اردو دونوں زبانیں مولانا کی زیر بارِ احسان ہیں۔

مولانا کا اندازِ فکر و بیان خالص فلسفیانہ ہے اور زبان و طرزِ ادا ان کی اپنی ہے، جس کی شگفتگی و شیرینی

اور سلاست و روانی انھی سے مخصوص ہے ۔

اُنھوں نے قرآن و حدیث کے بحر بیکراں میں بھی غوطے لگائے، اسلامی اوامر و احکام کو بھی ہدفِ فکر ٹھہرایا، فلسفہ و کلام کی وسعتوں کا بھی ان کے قلم حقیقت رقم نے احاطہ کیا اور منطق و حکمت کی وادیوں کے بھی ہر گوشے کی ان کے خامۂ عنبر شمامہ نے جی بھر کر سیاحت کی ۔ تحریر کے ہر موڑ پر، تصنیف و تالیف کے ہر مرحلے میں اور ترجمے کی ہر منزل میں ادبیّت کی لطافت اور زبان کی چاشنی ان کے ہم رکاب رہی ۔

بعض مقامات پر وہ الفاظ و اصطلاحات کی انتہائی مشکلات سے بھی دوچار ہوئے اور وادیٔ فن کی نہایت کٹھن منزلیں بھی ان کے سامنے آئیں ۔ لیکن ان کی رسائیٔ فہم نے ہر موقعے پر ان کا ساتھ دیا اور ان کا رہوارِ قلم علم و فن کے تمام نشیب و فراز سے نہایت سُبک رفتاری سے گزرتا اور ہر گھاٹی کو انتہائی ہنرمندی سے عبور کرتا گیا ۔

ان کا کمال یہ ہے کہ اُنھوں نے فلسفہ و منطق کے پیچیدہ اور گنجلک ترین مسائل و مضامین کو ادب کا دلآویز خلعت پہنا دیا ہے اور قاری ان کی تصانیف سے بیک وقت دو فائدے حاصل کر سکتا ہے ۔ زیر بحث موضوع میں وسعتِ معلومات سے بھی اپنا دامنِ طلب بھر سکتا ہے اور ادب و زبان کی لطافتوں اور حلاوتوں سے بھی بہرہ اندوز ہو سکتا ہے ۔ یبوست اور عبوست کا کوئی شائبہ نہ ان کی تحریر میں دخل اندازی کی جرأت کر سکتا ہے، نہ تقریر اور عام گفتگو میں راہ پا سکتا ہے ۔

مولانا حنیف ندوی کا شمار اصحابِ جبہ و قبا میں نہیں ہوتا اور اُنھوں نے کبھی اپنا کوئی خاص حلقہ قائم کرنے کی طرف بھی عنانِ توجہ مبذول نہیں کی ۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ تحقیقِ موضوع اور سلاست و شگفتگیٔ بیان کے سلسلے میں طبقۂ علما میں کوئی ان کا حریف نہیں، علوم اسلامی پر درک و عمق میں کوئی ان کا لگا نہیں کھا سکتا اور ذہن و فکر کی صفائی اور نہج ادا میں کوئی ان کی انفرادیت کو چیلنج نہیں کر سکتا ۔ یہ اللہ کا خاص عطیہ ہے اور اللہ نے اس سے ان کو خوب نوازا ہے ۔

قرآن و تفسیر، حدیث و سنت، فقہ و اصول، کلام و منطق اور فلسفۂ قدیم و جدید پر مولانا کو عبور و استحضار حاصل ہے اور ان تمام موضوعات پر اُنھوں نے لکھا اور بہت لکھا جو ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کی طرف سے معرضِ اشاعت میں آیا ۔ تصانیف کے علاوہ ادارہ ثقافت اسلامیہ کے ترجمان دو ماہانہ رسالوں ”ثقافت“ اور ”المعارف“ میں بھی مختلف علمی و تحقیقی عنوانات پر ان کے بہت سے مضامین شائع ہوئے اور طبقۂ اہلِ علم میں مستحق داد و تحسین قرار پائے ۔

"ثقافت" پہلا ماہانہ رسالہ تھا جو جنوری ۱۹۵۵ء میں ادارہ ثقافت اسلامیہ کی طرف سے شائع ہونا شروع ہوا۔ اس میں مولانا نے متعدد مضامین سپردِ قلم کیے۔ ثقافت میں اُنھوں نے قرآن مجید کی تفسیر کے ایک نئے سلسلے کا آغاز کیا، جس کا عنوان تھا، "ایک آیت کی تفسیر"۔ یہ سلسلہ عرصے تک جاری رہا۔ اس میں وہ قرآنِ مجید کی کسی مشکل اور ایسی اہم ترین آیت کی تفسیر بیان کرتے تھے، جس میں کوئی خاص علمی، ادبی، فقہی، نحوی یا لغوی نکتہ پنہاں ہو۔

مولانا طبعاً مشکل پسند ہیں اور زیادہ تر کسی ایسے ہی موضوع کو منتخب کرتے اور زیرِ بحث لاتے ہیں، جس میں کوئی اشکال پایا جاتا ہو۔ پھر اپنے اسلوبِ خاص سے اس اشکال کی عقدہ کشائی کرنا یا بقول ان کے اس کی "معقدِ پریشاں کو سلجھانا" ہمیشہ ان کا محبوب مشغلہ رہا۔

جنوری ۱۹۶۸ء میں "ثقافت" کا نام بدل کر اسے "المعارف" کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔ اس میں بھی مولانا کے بہت سے مضامین شائع ہوئے جو انتہائی ذوق و شوق سے پڑھے گئے۔

مولانا ندوی کی بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ اپنی بات کہہ کر آگے نکل جانے کے عادی ہیں۔ کوئی اس سے کیا اثر لیتا ہے اور اس کا کیا جواب دیتا ہے، اس کی انھیں پروا نہیں ہوتی۔ پیچھے گردن موڑ کر دیکھنا، حریف کا انتظار کرنا اور پھر اس سے گتھم گتھا ہونا، ان کا شیوہ نہیں۔ بعض حضرات نے ان کے بعض افکار پر تنقید بھی کی اور اُنھیں نشانۂ اعتراض بھی بنایا، حتّٰی کہ بعض لوگ ذاتیات پر بھی اُتر آئے، لیکن اُنھوں نے نہ کبھی کسی کو اپنا حریف گردانا اور نہ کسی کی تنقید و اعتراض کو قابلِ جواب یا لائقِ اعتنا ٹھہرایا۔

مولانا نے اپنی تحقیق کے مطابق ہمیشہ کتاب و سنّت کو مشعلِ راہ بنائے رکھا اور یہی ان کا عقیدہ اور یہی ان کا سرمایۂ حیات ہے۔ لیکن اس ضمن میں ان کی اپروچ سائنٹیفک اور فلسفیانہ ہے اور ان کے نزدیک منقول و معقول دونوں اپنی اپنی جگہ بنیادی اہمیت رکھتے ہیں اور ان کے نقطۂ نظر سے دونوں سے کسبِ ضیا کرنا ہمارے فرائض میں داخل ہے۔

وہ اس اعتبار سے "قدامت پسند" ہیں کہ ان کے نزدیک ہمارے تمام معاملات کا اصل ماخذ و مرجع کتاب و سنّت ہے اور اسی کی روشنی میں ہمیں آگے بڑھنا اور اپنے لیے ترقی و تقدّم کا راستہ تلاش کرنا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ عصری تقاضوں اور دورِ جدید کے مسائل سے بھی کسی صورت روگرداں ہونے کو تیار نہیں۔ ان کا نقطۂ فکر یہ ہے کہ کوئی فرد یا معاشرہ اپنے عہد کے مسائل اور تقاضوں کو نظر انداز کر کے سفرِ حیات کی طویل

اور کٹھن منزلیں ہرگز طے نہیں کر سکتا ۔ پیش آئند مسائل کے حل و کشود کے لیے جہاں کتاب و سنت سے رہنمائی حاصل کرنا ضروری ہے، وہاں فقہ و اصول، اجماع و قیاس اور اجتہاد کے بابِ عالی پر دستک دینا بھی لازم ہے۔ اور یہ باتیں اپنی تصانیف میں مختلف مقامات پر اُنھوں نے تفصیل سے لکھی ہیں۔

آیئے پہلے ترتیبِ تصنیف کے اعتبار سے مولانا کی ان کتابوں کا شمار کریں جو اُنھوں نے ادارہ ثقافت اسلامیہ کے لیے لکھیں۔ اس کے بعد تقدسِ موضوع کی روشنی میں ان کا تعارف کرایا جائے گا۔

۱۔ مسئلۂ اجتہاد: یہ ادارے کی طرف سے ان کی پہلی تصنیف ہے۔ سالِ اشاعت ۱۹۵۲ء

۲۔ افکارِ ابن خلدون: " ۱۹۵۴ء

۳۔ افکارِ غزالی " ۱۹۵۶ء

۴۔ سرگزشتِ غزالی " ۱۹۵۹ء

۵۔ تعلیماتِ غزالی " ۱۹۶۲ء

۶۔ مکتوبِ مدنی " ۱۹۶۵ء

۷۔ عقلیاتِ ابن تیمیہ " ۱۹۶۶ء

۸۔ مسلمانوں کے عقائد و افکار (جلد اوّل) " ۱۹۶۸ء

۹۔ مسلمانوں کے عقائد و افکار (جلد دوم) " ۱۹۷۰ء

۱۰۔ اساسیاتِ اسلام " ۱۹۷۳ء

۱۱۔ تہافت الفلاسفہ (تلخیص و تفہیم) " ۱۹۷۴ء

۱۲۔ مطالعۂ قرآن " ۱۹۷۸ء

۱۳۔ مطالعۂ حدیث " ۱۹۷۹ء

۱۴۔ لسان القرآن (جلد اوّل) " ۱۹۸۳ء

۱۵۔ لسان القرآن (جلد دوم) " ۱۹۸۵ء

یہ پندرہ کتابیں ہیں جو مولانا نے ادارہ ثقافت اسلامیہ کی طرف سے تصنیف کیں یا جن کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ مولانا کا طریق ترجمہ کچھ ایسا ہے کہ اگر یہ معلوم نہ ہو کہ یہ ترجمہ شدہ کتاب ہے تو قطعی پتا نہیں چلتا کہ اسے کسی دوسری زبان سے اردو میں منتقل کیا گیا ہے۔ اگر یہ ممکن ہو کہ خود مصنف اپنی کتاب

کا وہ ترجمہ پڑھ سکے جو مولانا نے کیا تو اسلوب و انداز اور زبان و ادب کے لحاظ سے ترجمے کو اپنی اصل کتاب پر ترجیح دینے کے لیے مجبور ہو جائے۔

یہاں یہ عرض کر دوں کہ مولانا جب لکھنے بیٹھتے ہیں تو وہ الفاظ کو منتخب نہیں کرتے، بلکہ خود الفاظ اپنے وسیع حلقۂ الفاظ سے منتخب ہو کر نہایت ادب سے قطار بنا کر ان کے حضور کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ان کا قلمِ حسن آشنا انتہائی سلیقے اور دلکش ترتیب سے ان کو جملوں اور فقروں کی خوب صورت لڑی میں پروتا جاتا ہے۔ شروع سے آخر تک یہ سلسلہ پورے وقار اور لوازمِ احترام کے ساتھ جاری رہتا ہے۔

اب ذیل میں مولانا کی تصنیفات کا قدرے تفصیل سے تعارف کرایا جاتا ہے۔ اس تعارف میں تقدیس موضوع کی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یعنی پہلے قرآنِ حکیم سے متعلق کتابیں آئیں گی، اس کے بعد حدیث، پھر اسلام بعد ازاں اجتہاد اور پھر جن حضرات سے متعلق کتابیں لکھی گئی ہیں، ان کی ترتیب زمانی کو سامنے رکھا گیا ہے۔ تو آئیے سب سے پہلے قرآنِ مجید — !

مطالعہ قرآن :

ایک عرصے سے مولانا محمد حنیف ندوی کے دل میں یہ خواہش شدت سے کروٹ لے رہی تھی کہ قرآن اور حدیث کو موضوعِ تحقیق ٹھہرایا جائے۔ اس کی بنیادی وجہ اس مقدس اور جانفزا موضوع سے ان کا روحانی اور قلبی تعلق ہے۔ ۱۹۳۳ء میں اُنھوں نے اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز بھی اسی سے کیا تھا اور " سراج البیان " کے نام سے پانچ جلدوں میں قرآنِ مجید کی تفسیر لکھی تھی جو پندرہ سولہ دفعہ چھپ چکی ہے۔ اب عمر کے آخری دور میں بھی وہ یہی خدمت انجام دینا چاہتے تھے۔ اس کا آغاز اُنھوں نے " مطالعہ قرآن " سے کیا۔

مطالعہ قرآن میں انھوں نے قرآن حکیم سے متعلق ان تمام مباحث و مسائل پر محققانہ اظہارِ خیال کیا ہے، جن سے قرآن فہمی میں مدد ملتی ہے اور اس کتابِ ہدیٰ کی عظمت و رفعت واضح شکل میں فکر و نظر کے زاویوں میں آتی ہے۔ نیز جن سے قرآن کے علوم و معارف اور دعوت و اسلوب کی معجز طرازیوں کا تفصیلی نقشہ سامنے آتا ہے۔

مطالعہ قرآن میں مولانا نے اپنے خاص شگفتہ اسلوب اور حکیمانہ انداز میں قرآن کے بعض مضامین پر پیدا کردہ مستشرقین کے ان اعتراضات کا تسلی بخش جواب دیا ہے جو لوگوں کے قلب و ذہن میں شکوک و شبہات ابھارنے کا باعث ہو سکتے ہیں۔

مطالعہ قرآن میں درج ذیل سولہ عنوانات کو موضوعِ گفتگو بنایا گیا ہے ۔

۱۔ قرآن کا تصوّرِ وحی و تنزیل ۔

۲۔ قرآن مجید اور کتب سابقہ ۔

۳۔ اسفار خمسہ

۴۔ عہد نامۂ جدید اور اناجیل اربعہ ۔

۵۔ قرآنِ حکیم اور اس کے اسماء و صفات ۔

۶۔ قرآنی سورتوں کی قسمیں اور ترتیب ۔

۷۔ قرآنی سورتوں کی زمانی و مکانی تقسیم ۔

۸۔ جمع و کتابتِ قرآن کے تین مراحل ۔

۹۔ قرآنِ حکیم کی لسانی خصوصیات ۔

۱۰۔ اعجازِ قرآن اور اس کی حقیقت ۔

۱۱۔ محتویاتِ قرآن ۔

۱۲۔ مشکلاتِ قرآن ۔

۱۳۔ قرآن کے رسم الخط کے بارے میں نقطۂ اختلاف ۔

۱۴۔ تفسیر ۔

۱۵۔ تفسیر کے دو مشہور مدرسۂ فکر ۔ اصحاب الحدیث اور اہل الرائے ۔

۱۶۔ اوّلیاتِ قرآن ۔

مطالعۂ قرآن کا "پیشِ لفظ" جسٹس ایس اے رحمان مرحوم و مغفور کا تحریر کردہ ہے ۔ یہ کتاب ۳۱۰ صفحات پر محتوی ہے ۔ فہرستِ مضامین اور مقدمے کے آٹھ صفحے اس کے علاوہ ہیں ۔

مطالعہ قرآن پہلی بار ۱۹۷۸ء میں طبع ہوئی ۔

لسان القرآن ۔ جلد اوّل :

قرآن مجید اور اس کے مضامین و متعلقات پر غور و فکر مولانا محمد حنیف ندوی کا مرغوب اور چہیتا موضوع ہے ۔ ۱۹۷۸ء میں اُنھوں نے "مطالعہ قرآن" لکھی ، اس کے بعد ۱۹۷۹ء میں "مطالعہ حدیث" تصنیف کی ۔

پھر قرآنِ مجید کے توضیحی لغت کو محورِ تحقیق ٹھہرایا اور اس کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ اس عظیم کام کا آغاز انھوں نے ۱۹۷۹ء کے آخر میں کیا اور ۱۹۸۲ء کے آخر میں اس کی ایک جلد مکمل ہوگئی، جس کا نام "لسان القرآن" رکھا گیا۔ یہ جلد حرفِ الف "اب" سے شروع ہوئی اور حرف ج (ج ی د) "جید" پر ختم ہوئی۔

یہ قرآنِ مجید کا ایک جامع تفسیری اور توضیحی لغت ہے، جس میں مولانا نے قرآنِ حکیم کے الفاظ اور مطالب و معانی کو نہایت عمدہ طریقے سے نکھار کر بیان کیا ہے۔ بلاشبہ قرآن سے متعلق ان کی یہ ایک گراں قدر کوشش ہے۔ اس میں قرآن، حدیث، محاوراتِ عرب اور قدیم و جدید علوم و تحریکات کی روشنی میں ان تمام اشکالات کا جائزہ لیا گیا ہے، جن کا کسی نہ کسی طرح عمرانیات، تاریخ، فلسفہ یا سائنس سے تعلق و ربط ہے۔ کثرتِ معلومات کے اعتبار سے "لسان القرآن" کو قرآن کے حِکَم و معارف کا گنجینہ قرار دینا چاہیے۔ مولانا کا پیرایۂ بیان ایسا پیارا اور مؤثر ہے کہ اس کے مطالعے سے ذہن قرآن کی ضوفشانیوں سے دمک اٹھتا ہے اور قلب و باطن میں عظمتِ قرآن کا حسین نقش مرتسم ہو جاتا ہے۔

لسان القرآن کی اس پہلی جلد پر ۳۳ صفحات کا مقدمہ ہے، جس میں قرآن فہمی کے اصول اور تقاضے بیان کیے گئے ہیں۔ کتاب ۴۰۰ صفحات پر محیط ہے۔ پہلی مرتبہ ۱۹۸۳ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔

لسان القرآن۔ جلد دوم:

لسان القرآن کی دوسری جلد حرفِ ح (ح ب ب) "الحبّ" سے شروع ہو کر حرفِ د (د ی ن) "الدین" پر ختم ہوئی ہے۔

پہلی جلد کے آخری صفحے کا نمبر ۴۰۰ ہے۔ دوسری جلد مسلسل صفحات نمبر کے مطابق صفحہ ۴۰۱ سے شروع ہوئی اور ۷۹۳ صفحات تک پہنچی۔ اس حساب سے دوسری جلد ۳۹۳ صفحات پر مشتمل ہے۔

لسان القرآن کی دوسری جلد ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی۔

جلد سوم حرفِ ذ سے شروع کی گئی ہے۔ مولانا یہ کام نہایت تیزی اور مستعدی سے کر رہے تھے کہ بیمار پڑ گئے۔ مسودہ تقریباً سو صفحات تک پہنچا ہے۔ اب کم و بیش ایک سال سے مولانا بیمار ہیں اور کام رُک گیا ہے۔ وہ اس اہم کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے بے تاب ہیں۔ لیکن بیماری کے ہاتھوں بے بس ہیں، ایک لفظ بھی لکھنے کی ہمّت نہیں۔

دُعا ہے اللہ تعالیٰ انھیں صحتِ عاجلہ و کاملہ سے نوازے اور اس عظیم کام کو، جس کا آغاز انھوں

نے انتہائی شوق و ذوق سے کیا تھا، مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے - آمین

مطالعہ حدیث :

مستشرقین اور اشتراق زدہ حضرات نے ایک مدت سے حدیث و سنت کے بارے میں اس ہرزہ سرائی کو "علمی و تحقیقی" سانچے میں ڈھالنے کی جدوجہد شروع کر رکھی ہے کہ اس کی تدوین و تسوید کا سلسلہ محض تاریخی عوامل کی بنا پر معرضِ ظہور میں آیا - ہمارے یہاں کے کچھ لوگ بھی اس سے متاثر ہوئے اور انھوں نے مستشرقین کے اس اندازِ فکر کو آگے بڑھانے اور پھیلانے کی کوشش کی - مولانا محمد حنیف ندوی نے "مطالعۂ حدیث" میں اس کا مثبت اسلوب میں جواب دیا ہے اور بتایا ہے کہ حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اشاعت و فروغ اور حفظ و صیانت کا سلسلہ عہدِ نبوی سے لے کر صحاح ستہ کی تدوین تک ایک خاص نوع کا تسلسل لیے ہوئے ہے، جس میں شک و ریب کی کوئی گنجائش نہیں پائی جاتی - علاوہ ازیں مولانا نے اس کتاب میں حدیث کے علوم و معارف پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور دلائل سے واضح کیا ہے کہ یہ مکمل سائنس ہے، جس میں رجال و رواۃ کی جانچ پرکھ کے پیمانوں کی تشریح کا اہتمام بھی کیا گیا ہے اور ان اصولوں کی وضاحت بھی کی گئی ہے، جن سے محدثین نے متنِ حدیث کی صحت و استواری کا تعین کیا ہے -

یہ بہت اہم سوالات ہیں کہ اسلام کے احکام و فرامین میں حدیث و سنت کا کیا درجہ ہے -؟
اس نے کب اور کس طرح تدوین و ترتیب کے محنت طلب مرحلے طے کیے - ؟
کن مؤثق اور معتبر ترین علمی ذرائع سے ہم تک پہنچی - ؟
یہ اپنے آغوش میں تحقیق و تفحص کے کن معیاروں کو سمیٹے ہوئے ہے - ؟

مولانا نے ان تمام سوالات کا جو بعض ذہنوں میں خلجان پیدا کرتے ہیں، "مطالعہ حدیث" میں تحقیقی جواب دیا ہے -

مطالعہ حدیث پندرہ عنوانات پر مشتمل ہے جو حسب ذیل ہیں -

۱ - قرآنِ حکیم اور اطاعتِ رسول -
۲ - سنت کن حقائق سے تعبیر ہے -
۳ - سنت عہدِ نبوی میں -

۴ ۔ آنحضرت کا اسلوبِ دعوت و ارشاد ۔

۵ ۔ صحابہ اور تابعین کے دور میں علم حدیث کی اشاعت کا جذبہ ۔

۶ ۔ صحابہ اور تابعین کے زمانے میں اشاعتِ حدیث کے اسباب و عوامل ۔

۷ ۔ روایت کی دو قسمیں ۔

۸ ۔ تدوینِ حدیث ۔

۹ ۔ حدیث کے بارے میں فنِ جرح و تعدیل ۔

۱۰ ۔ فتنۂ وضع حدیث اور محدثین کی مساعیٔ جمیلہ ۔

۱۱ ۔ اصطلاحاتِ حدیث ۔

۱۲ ۔ علومِ حدیث

۱۳ ۔ حضرت ابو ہریرہ رض

۱۴ ۔ امام زہری رح ۔

۱۵ ۔ کتبِ حدیث اور ان کے مؤلفین ۔

مولانا کو حدیث و سنت سے قلبی شغف و محبت ہے اور منکرین و معترضین حدیث سے انتہائی نفرت ۔ ! یہی جذبۂ صادقہ اور داعیہ حق اس کتاب کی تصنیف کا باعث بنا ۔

مطالعہ حدیث ۲۱۵ صفحات پر محتوی ہے ۔ مقدمہ اور فہرستِ مضامین کے بارہ صفحے اس کے علاوہ ہیں ۔

پہلی دفعہ یہ کتاب ۱۹۷۹ء میں طبع ہوئی ۔

اساسیاتِ اسلام :

مولانا محمد حنیف ندوی کی تصنیفات میں " اساسیاتِ اسلام " اس بنا پر نہایت اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں مولانا نے تعبیر و استدلال کی ایک بالکل نئی اور خوش آئند روایت کی طرح ڈالی ہے ۔ اس دور کا بنیادی سوال یہ ہے کہ موجودہ تحریکات اور رائج الوقت فلسفوں کے مقابلے میں اسلام کا موقف کیا ہے ؟ اور ان حالات میں اسلامی احکام کو کس نہج سے لوگوں کے قلب و روح میں اُتارا جا سکتا ہے ؟

اس سوال کے جواب میں عام طور پر دو اسلوب اختیار کیے جاتے ہیں ۔ ایک معذرت خواہانہ

اسلوب، جس میں فقط یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اسلام، علم و دانش کی مروّجہ تحریکات کا ہرگز مخالف نہیں ۔ دوسرا اسلوب یہ ہے کہ مخالفانہ نظریات کو پورے زور سے ہدفِ تنقید ٹھہرایا جاتا ہے اور ان کے نقائص کی نشان دہی کی جاتی ہے ۔ اس کے بعد یہ کہہ کر خاموشی اختیار کر لی جاتی ہے کہ یہ نظریات چونکہ غلط ہیں، لہذا اسلام کا تصوّرِ حیات صحیح ہے ۔

تعبیر و تشریح کے یہ دونوں اسلوب قرینِ صحت نہیں اور ان سے جدید تعلیم یافتہ لوگ قطعاً متاثر نہیں ہوتے، کیوں کہ اس سے یہ حقیقت واضح نہیں ہو پاتی کہ اسلام جو دنیا کا آخری اور فلاحِ انسانی کا ضامن مذہب ہے، فرد اور معاشرے کے تمام روحانی اور تہذیبی و ثقافتی مسائل کا سائنسی اور علمی زبان میں، متعیّن و ثبت اور جچا تلا حل پیش کرتا ہے ۔ جواب کی ان دونوں نہجوں سے اسلام کی روحِ اجتہاد کا فعّال اور تخلیقی کردار فکر و نظر کے زاویوں میں نہیں آتا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نہ معذرت خواہانہ انداز لوگوں پر کوئی اثر ڈال سکتا ہے اور نہ منفی انداز ۔

مولانا حنیف ندوی نے "اساسیاتِ اسلام" میں جواب کی ان دونوں صورتوں سے ہٹ کر بات کی ہے اور اس اسلوب سے اسلامی احکام کو پیش کیا ہے کہ جس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اسلام میں ہمارے تہذیبی، ثقافتی، سیاسی، اقتصادی اور روحانی مسائل کا حل بہ طریقِ احسن موجود ہے ۔ اگر اس کے تمام پہلوؤں پر صدقِ دل سے غور کیا جائے اور ان کو محورِ عمل بنایا جائے تو پتا چلے گا کہ یہاں ہر شے موجود ہے، کہیں تشنگی کا احساس نہیں ہوتا ۔

یہ کتاب نو ابواب پر مشتمل ہے جو یہ ہیں :

باب ۱ : اساسیاتِ اسلام ۔

باب ۲ : کیا اساسی نہیں ہے ۔

باب ۳ : تعمیرِ فرد ۔

باب ۴ : نظریۂ توحید اور اس کی اساس ۔

باب ۵ : نماز اور اس کے اثرات ۔

باب ۶ : اسلام کا تصوّرِ ثقافت ۔

باب ۷ : اسلام اور اس کی سیاسی قدریں ۔

باب ۸ : اقتصادیات میں اسلام کا موقف۔

باب ۹ : اسلام کا نظریۂ اخلاق۔

ہر باب کے تحت ذیلی عنوانات قائم کیے گئے ہیں جن کی تعداد ۱۹۴ ہے۔ مقدمہ اور فہرست مضامین سمیت کتاب ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے ۔ اساسیات اسلام پہلی مرتبہ ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی ۔

مسئلۂ اجتہاد:

مولانا محمد حنیف ندوی نے ادارہ ثقافت اسلامیہ میں آنے کے بعد سب سے پہلی کتاب "مسئلۂ اجتہاد" تصنیف کی تھی۔ اس زمانے میں مولانا گوجرانوالہ میں قیام پذیر تھے اور روزانہ وہاں سے لاہور آتے تھے۔ اس موضوع پر ان کی یہ نہایت اہم تصنیف ہے۔ اس میں اس حقیقت کی وضاحت کی گئی ہے کہ اسلام ایک مکمل اور ابدی ضابطۂ حیات ہے۔ اسلام جہاں اس بات کی صراحت کرتا ہے کہ توحید کیا ہے، دلوں میں ایمان کے داعیے کس طرح پیدا ہوتے ہیں، تقویٰ کیسے ابھرتا ہے اور کردار و سیرت کی تشکیل کے کیا ذرائع ہیں، وہاں اس میں اس بات کا بھی پورا اہتمام پایا جاتا ہے کہ بدلتے ہوئے اجتماعی اور معاشرتی حالات میں احکام و مسائل کی کیا شکل ہو۔ یعنی وہ کون سے اصول اور پیمانے ہیں جن پر قیاس اور اجتہاد کا قصرِ رفیع تعمیر ہوتا ہے۔ کتاب میں ان فقہی بنیادوں اور پیمانوں کی بھی تشریح کی گئی ہے، جن کی روشنی میں فقہِ جدید کی تدوین و ترتیب کا مسئلہ آسانی سے ذہن و فکر کی گرفت میں آجاتا ہے۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۵۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ چھوٹے بڑے ۸۵ عنوانات پر مشتمل ہے اور ۱۸۴ صفحات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

مسلمانوں کے عقائد و افکار (جلد اوّل):

علامہ ابوالحسن اشعری چوتھی صدی ہجری کی جلیل القدر شخصیت تھے، جو ۲۶۰ھ کو بصرہ میں پیدا ہوئے اور ۳۳۰ ہجری کے لگ بھگ بغداد میں جنت کو سدھارے۔ وہ مسلسل چالیس برس تک اعتزال و جہمیت کی فتنہ سامانیوں کا شکار رہے۔ اس کے بعد ان کے فکر و تعمق نے ایسی انگڑائی لی کہ اعتزال و جہمیت کی زنجیریں توڑ ڈالیں اور اجتہاد و کلام کا اپنا ایک علیحدہ اور منفرد دبستان سجایا۔ انھوں نے سو سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں جو اپنے مضامین و محتویات کے اعتبار سے خاص اہمیت کی حامل ہیں۔

ان کی تصانیف میں ایک مشہور ترین کتاب " مقالات الاسلامیین " ہے جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ ان کا وہ علمی شاہکار ہے جسے افکار و نظریات کے دائرۃ المعارف سے تعبیر کرنا چاہیے ۔ اس میں اُنھوں نے چوتھی صدی ہجری کے اوائل یعنی اپنی زندگی تک اُبھرنے والے وہ تمام عقائد و افکار بغیر کسی تعصب اور ذہنی تحفظ کے بیان کر دیے ہیں جو طویل عرصے تک مسلمانوں کے فکری مناظروں اور کلامی مجادلوں کا محور بنے رہے ۔

کتاب کے مطالعے سے جہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ مسلمان نفسیات ، اخلاق اور مادہ و روح کے بارے میں کن کن علمی جواہر پاروں کو منظرِ عام پر لائے ہیں ، وہاں یہ حقیقت بھی نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ ماضی میں فکر و نظر کی کجی نے کن کن گمراہیوں کو جنم دیا اور ان گمراہیوں کے مقابلے میں اسلام نے کس معجزانہ انداز سے اپنے وجود کو قائم اور برقرار رکھا ۔ آج آفتابِ اسلام پوری طرح تابندہ و درخشندہ ہے اور تمام دُنیا اس سے کسبِ ضیا کر رہی ہے اور وہ تمام گمراہیاں اور ضلالتیں جو کئی سو سال پیشتر اسلامی احکام کو ختم یا مجروح کرنے کے درپے تھیں ، دُنیا سے نابود ہوگئی ہیں ۔

مولانا محمد حنیف ندوی نے " مسلمانوں کے عقائد و افکار " کے نام سے اس عربی کتاب کو اردو کا خلعت پہنا دیا ہے ۔ زبان نہایت عمدہ ہے ۔ جلد اوّل پر ۸۴ صفحات کا مقدمہ ہے ۔ فہرستِ عنوانات ، مقدمہ اور اشاریہ سمیت یہ جلد ۳۸۰ صفحات کو گھیرے ہوئے ہے ۔ جلد اوّل ۱۹۶۸ء کو معرضِ اشاعت میں آئی ۔ کل عنوانات ۲۵ ہیں ۔

مسلمانوں کے عقائد و افکار (جلد دوم)

یہ " مقالات الاسلامیین " کی جلد دوم کا اردو ترجمہ ہے اور اس پر فاضل مترجم نے ۳۰ صفحات کا مقدمہ لکھا ہے ۔ سرورق کے دو صفحے اور فہرستِ مضامین کے بائیس صفحات شامل کرکے کتاب ۴۲۴ صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس جلد کے کل عنوانات ۲۰۳ ہیں اور سنِ طباعت ۱۹۷۰ء ہے ۔

سرگزشتِ غزالی :

امام غزالی طوس کے ایک گاؤں میں ۴۵۰ھ کو پیدا ہوئے اور ۵۰۵ھ کو وفات پائی ۔ ان کی تصنیفات میں " المنقذ من الضلال " کو اہلِ علم میں بڑی اہمیت حاصل ہے ۔ یہ غزالی کی دلچسپ اور دلآویز سرگزشت ہے جو انھوں نے خود اپنے قلم سے رقم کی ۔ اس میں انھوں نے تفصیل سے بتایا ہے کہ ان کے

فکرو ذہن میں کیوں تبدیلی پیدا ہوئی اور ان کے افکار کس طرح انقلاب و تغیر کی خوش خرام موجوں سے روشناس ہوئے۔ وہ جبۂ و عبا اور مسند و دستار کی نہایت شان دار زندگی بسر کر رہے تھے اور تعلیم و تعلّم کے ہنگاموں میں مشغول تھے کہ ان کے فہم و فراست نے اس اسلوب سے پلٹا کھایا کہ جبۂ و عبا اتار پھینکے اور دُنیا سے بے زار ہو کر بادیہ پیمائی شروع کر دی۔ فقر و درویشی کی روش اختیار کر لی اور فلسفہ و حکمت کے میدانوں سے نکل کر کتاب و سنّت کی روح پرور وادی میں سکونت پذیر ہوگئے کہ اطمینانِ قلب اور سامانِ سکینت اسی میں ہے۔ ایسا کیوں ہوا؟ اور یہ ذہنی و فکری انقلاب کیوں بپا ہوا؟ ۔ کتاب میں اس سوال کا مفصل جواب دیا گیا ہے جو دل کی گہرائیوں میں اترتا اور روح و ضمیر میں پیوست ہوتا چلا جاتا ہے۔

غزالی نے المنقذ من الضلال میں اپنے وقت کی تمام مروّجہ مذہبی و فکری تحریکات کا مکمل جائزہ لیا ہے اور اذعان و یقین کی ان بنیادوں کی نشان دہی کی ہے جو کتاب و سنت سے ہم آہنگ اور مسلکِ سلف سے ہم دوش ہیں۔

کتاب میں نفسیّات، فلسفہ، منطق، تنقید، تمام چیزیں انتہائی اعتدال و توازن کے ساتھ موجود ہیں اور قاری کو متاثر کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں تصورِ نبوت کو نہایت معقول، بے حد سلجھے ہوئے اور بہ درجہ غایت حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

غزالی کے دور میں تعلیمیہ اور قرامطہ (جنھیں باطنیہ بھی کہا جاتا ہے) کا فتنہ زوروں پر تھا اور انہی کے عقائد و تصورات کی خطرناکیوں سے اثر پذیر ہو کر انھوں نے یہ کتاب سپردِ قلم کی۔ کتاب میں بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ کون تھے؟ ان کے عقائد و افکار کیا تھے؟ ان میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوئیں اور فکر و فلسفے میں اُنھوں نے کیا اضافہ کیا؟

مولانا محمد حنیف ندوی نے "المنقذ من الضلال" کا "سرگزشت غزالی" کے نام سے ترجمہ کیا ہے اور اس پر ۸۹ صفحات کا طویل مقدمہ لکھا ہے، جس میں اس دَور کی فکری تفصیلات اور غزالی کے قدیم رجحانات کو اجاگر کیا ہے، نیز ان میں تبدیلی کے وجوہ و اسباب اور ان کے فلسفہ و حکمت کی تفصیل سے وضاحت کی ہے۔ مع فہرستِ مضامین اور مقدمے کے کتاب ۱۹۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اردو ترجمہ اتنا جان دار اور دلکش ہے کہ اگر غزالی زندہ ہوتے اور اس ترجمے کا مطالعہ کرتے تو زیادہ نہیں تو اسے اپنی عربی کتاب کے برابر ضرور جگہ دیتے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۵۹ء میں چھپی تھی۔

افکارِ غزالی :

امام غزالی سے مولانا محمد حنیف ندوی کو خاص تعلق خاطر ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بارے میں انھوں نے تین کتابیں لکھیں، ایک افکارِ غزالی، دوسری تعلیمات غزالی اور تیسری سرگزشت غزالی۔ تعلیمات غزالی، "احیاء علوم الدین" کے بعض ابواب کی تلخیص ہے، سرگزشت غزالی "المنقذ من الضلال" کا ترجمہ ہے اور افکارِ غزالی میں احیاء علوم الدین کے مضامین و مشمولات کا خلاصہ اور اختصار بیان کر دیا گیا ہے ۔ ان تینوں کتابوں پر علیحدہ علیحدہ مبسوط مقدمات تحریر کیے گئے ہیں ، جو اپنی جگہ مستقل کتاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ افکارِ غزالی کا مقدمہ ۱۱۳ صفحات پر مشتمل ہے ۔ سرگزشت غزالی کا مقدمہ ۸۵ صفحات پر محتوی ہے اور تعلیمات غزالی کا مقدمہ ۱۰۳ صفحات میں پھیلا ہوا ہے ۔ اس طرح ہر مقدمہ ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے ۔ ان کتب ثلاثہ میں باعتبار ترتیبِ تصنیف کے پہلا نمبر افکارِ غزالی کا دوسرا سرگزشتِ غزالی کا اور تیسرا تعلیماتِ غزالی کا ہے ۔

جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے "افکارِ غزالی" احیاء علوم الدین کے بعض اہم مضامین کا خلاصہ ہے ۔ اس کے بڑے بڑے عنوان یہ ہیں : فضائل علم، قلب کی موت، حصول علم کے فضائل، تعلیم، علم کے محامد شواہد عقلیہ کی روشنی میں، وہ علوم جن کا سیکھنا فرض کفایہ ہے، علم المکاشفہ اور علم المعاملہ، مشاغبات علم الکلام، ائمہ ۶ فقہ کا زہد و ورع ، مضرّ علوم ، وہ الفاظ و مصطلحات جن کے معنوں میں تغیّر و تبدّل ہوا ہے، بحث و جدل سے لوگوں کی دلچسپی کے اسباب و وجوہ اور اس کے شرائط ، بحث و مناظرہ سے کیا کیا نفسی برائیاں پیدا ہوتی ہیں، استاد اور شاگرد کے آداب ، ارشاد و تعلیم کی ذمہ داریاں، عقل اور اس کی قسمیں، مدارکِ عقل میں تفاوت ، عقائد کی تفصیل ، عقائد کی تلقین میں تدریج کا لحاظ ۔ ظاہر و باطن کی تقسیم ، ظاہر و باطن میں فرق کی نوعیت ، ایمانیّات میں پہلا رکن توحید ، دوسرا رکن اللہ کی صفات ، تیسرا رکن اللہ کے افعال کا علم ، چوتھا رکن سمعیّات ۔ ایمان اور اسلام کے اطلاقات ، کیا ایمان میں کمی بیشی ممکن ہے ؟ ایمانیّات میں استثنا کا استعمال ۔ ان موٹے موٹے عنوانات میں بہت سے ضمنی عنوانات بھی ہیں ۔

احیاء علوم الدین کے ان ابواب میں امام غزالی نے عقائدِ اسلامی کا پورا تجزیہ کیا ہے، تہذیب و اخلاق کے تمام گوشوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے ، ایمان کی گتھیوں کو سلجھایا ہے ، عبادت کی روح متعین کی ہے اور ان کی تہہ میں جو فلسفہ کارفرما ہے ، اس کی نشان دہی کی ہے ، معاملات کی وضاحت فرمائی ہے ۔

غرض بحیثیت مجموعی دینِ اسلام کی ایسی دلآویز تشریح کی ہے کہ جس سے الحاد و زندقہ کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور احکامِ دین میں جو روشنی پنہاں ہے وہ پوری آب و تاب کے ساتھ قلب و نظر میں سما جاتی ہے ۔

مولانا ندوی کی اپنی زبان اور اپنا انداز ہے جو انہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اُنھوں نے نہایت حسن و خوبی سے غزالی کے ان مضامین کو صفحۂ قرطاس کی زینت بنایا ہے ۔

مقدمۂ کتاب میں جو ۱۳ صفحات پر مشتمل ہے ، مولانا نے امام غزالی کے حالات و سوانح پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے ، ان کے خیالات و افکار کی اہمیت بیان کی ہے اور علمی دُنیا میں ان کے مقام و مرتبے کی وضاحت کی ہے ۔فہرستِ مضامین کے سولہ صفحات سمیت کتاب ۱۵۴ صفحات پر محیط ہے ۔ پہلی مرتبہ ۱۹۵۶ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی ۔

تعلیماتِ غزالی :

امام غزالی کی مشہور تصنیف " احیاء علوم الدین " حلقۂ اہل علم اور اصحابِ تصوف میں ہمیشہ متداول رہی ہے ۔غزالی نے اس کتاب میں ارکانِ دین ، احکام اسلام ، رموزِ تصوّف اور فرامین الٰہی کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ ان میں کیا اسرار پنہاں ہیں اور کس رکن دین کی بجاآوری میں کیا فلسفۂ حکمت کارفرما ہے ۔

مولانا محمد حنیف ندوی نے غزالی کی اس معرکۃ الآرا کتاب کے گیارہ ابواب کی تلخیص کی ہے ، اور وہ ابواب یہ ہیں ۔

۱ ۔ ابواب صلوٰۃ ۔
۲ ۔ ابواب زکوٰۃ ۔
۳ ۔ حدیث صوم ۔
۴ ۔ اسرارِ حج ۔
۵ ۔ ذکر و دُعا ۔
۶ ۔ تہذیب و آداب ۔
۷ ۔ نکاح و معاشرت ۔
۸ ۔ محبّت و اخوّت ۔

۹۔ معاملات ۔

۱۰۔ فہم قرآن ۔

۱۱۔ تفسیر بالرائے ۔

احیاء علوم الدین کے یہ انتہائی اہم اور بنیادی ابواب ہیں ۔ مولانا نے نہایت شگفتہ زبان میں ان کو اُردو کے قالب میں ڈھالا ہے اور اس کو " تعلیماتِ غزالی " کے دلکش نام سے مرتب کیا ہے ۔

کتاب پر ۸۸ صفحات کا بسوط مقدمہ تحریر فرمایا ہے ، جس میں تصوف کے رموز و نکات پر سیر حاصل بحث کی ہے ۔ مقدمے میں بتایا گیا ہے کہ تصوف جو ذوق و وجدان کا قیمتی سرمایہ ہے ، تزکیۂ باطن اور تعمیر سیرت کے اعتبار سے کن اہمیتوں کا حامل ہے اور ارتقا کے کن کن مراحل سے دوچار ہوا ہے ۔ اس کے مشائخ کون کون ہیں اور اس کی اصطلاحات کیا ہیں ۔ نیز اس سے وارداتِ قلب کی کن کن کیفیتوں پر روشنی پڑتی ہے ۔

اپنے مندرجات و مشمولات کے اعتبار سے " تعلیماتِ غزالی " نہایت عمدہ کتاب ہے ۔ اس کے گیارہ ابواب میں جو اوپر درج کیے گئے ہیں ، بہت سے ضمنی عنوانات بھی ہیں ۔

تعلیماتِ غزالی کا پہلا ایڈیشن جو ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا تھا ، ۵۶۰ صفحات کا احاطہ کیے ہوئے ہے ۔ فہرست مضامین کے سات صفحے اس کے علاوہ ہیں ۔

تہافت الفلاسفہ (تلخیص و تفہیم) :

غزالی اور ابن رشد دونوں نے حکمت و فلسفہ کے امام و مجتہد کی حیثیت سے شہرت پائی ۔ غزالی کی تصنیفات میں سے ایک مشہور کتاب " تہافتہ الفلاسفہ " ہے اور ابن رشد کی قابلِ قدر فلسفیانہ تصنیفات میں سے ایک بہت معروف تصنیف " تہافتہ التہافہ " ہے جو انھوں نے غزالی کی تہافتہ الفلاسفہ کے جواب میں لکھی ۔ یہ دونوں کتابیں اسلامی عقائد و افکار کے سلسلے میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں ۔

غزالی نے تہافت الفلاسفہ میں یونانی فلسفے اور انسانی فکر و کاوش کی کمزوری اور درماندگی کو اجاگر کیا ہے اور بتایا ہے کہ انسانی فکر اور عقیدے کی اپنی منطق اور فہم و استدلال کا اپنا اسلوب ہے ، جس کو صرف اسی کی روشنی میں سمجھنا ممکن ہے ۔

ابنِ رشد نے اس کے جواب میں تہافت التہافہ لکھی ، جس میں یونانی فلسفے کی رو سے غزالی کے

اعتراضات کا خالص فلسفیانہ زبان میں جواب دیا۔ اپنے موضوع کے اعتبار سے دونوں کتابیں اصحاب فلسفہ کے نزدیک بڑی اہمیت رکھتی ہیں اور نہایت دلچسپی سے پڑھی جاتی ہیں۔

مولانا محمد حنیف ندوی نے غزالی کے شاہ کار" تہافت الفلاسفہ" کی نہایت شگفتہ اور رواں دواں اردو میں تلخیص و تفہیم کی ہے۔ علاوہ ازیں اس پہ ایک طویل اور شان دار مقدمہ لکھا ہے، جس میں غزالی اور ابنِ رشد کے افکار و خیالات پر جچا تلا محاکمہ کیا ہے۔ اس محاکمے میں مولانا نے علامہ طوسی اور خواجہ زادہ کے تاریخی محاکموں سے بھی استفادہ کیا ہے اور موجودہ فلسفے کے رجحانات کو بھی پیش نگاہ رکھا ہے اور پھر اپنی رائے کا بھی خاص انداز سے اظہار کیا ہے۔

اسلامی فلسفے کے موضوع پر تحقیقی کام کرنے والے حضرات کے لیے مولانا کی یہ کوشش نہایت قیمتی دستاویز ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ یونانی فلسفے نے اسلامی علمِ کلام کو کس حد تک متاثر کیا ہے۔ پھر یہ حقیقت بھی فکر و نظر کی سطح پر اُبھرتی ہے کہ مسلمان حکما و متکلّمین نے یونانی افکار و تصورات کے کن کن گوشوں میں مجتہدانہ اضافہ کیا ہے۔ اس کتاب میں فکر و نظر کی ان نئی جہتوں کی بھی نشان دہی ہوتی ہے، جن کی روشنی میں جدید علم کلام کی عمارت تعمیر کی جا سکتی ہے۔

مولانا نے اس کتاب میں بیس فلسفیانہ مباحث و مسائل کا ذکر کیا ہے جو یہ ہیں۔

۱۔ قدمِ عالم کا ابطال۔
۲۔ ابدیّت عالم کا ابطال۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کو اس عالم کا صانع اور فاعل قرار دینے کے معاملے میں حکما کی ابلہ فریبی۔
۴۔ وجودِ صانع کے بارے میں حکما کی بے چارگی۔
۵۔ اثباتِ توحید کے بارے میں حکما کی ناکامی۔
۶۔ کیا مسئلۂ ذات و صفات کی دوئی کثرت کا سبب ہے؟
۷۔ کثرت و تعدّد کا دوسرا سبب۔
۸۔ کثرت و تعدد کا تیسرا سبب۔
۹۔ کثرت و تعدّد کا چوتھا سبب۔
۱۰۔ حکما اثباتِ صانع سے قاصر ہیں۔

۱۱۔ حکمایہ بات نہیں ثابت کر سکتے کہ مبداۓ اوّل تمام کائنات کے بارے میں ادراکِ کلّی رکھتا ہے۔

۱۲۔ حکما، مبداۓ اوّل سے متعلق اس حقیقت کا اثبات بھی نہیں کر سکتے کہ اس کو ادراکِ ذات حاصل ہے۔

۱۳۔ اس بات کی تردید کہ اللہ تعالیٰ جزئیاتِ زمانی سے آگاہ نہیں۔

۱۴۔ حکما اپنے اس دعوے کو ثابت نہیں کر سکتے کہ آسمان ایک حیوان ہے جو اپنی حرکتِ دوریہ سے اللہ کے حکم کی اطاعت میں مصروف ہے۔

۱۵۔ حکما نے حرکتِ افلاک کے جس محرّک و غایت کی نشان دہی کی ہے، وہ باطل ہے۔

۱۶۔ یہ بات غلط ہے کہ نفوسِ سماوی تمام جزئیات کو جانتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے کہ لوحِ محفوظ سے مراد نفوسِ سماویہ ہیں۔

۱۷۔ اسباب و مسبّبات میں رشتہ و تعلق کی نوعیّت۔

۱۸۔ انسانی و حیوانی قویٰ کی تفصیل۔

۱۹۔ حکما کا یہ دعویٰ کہ نفوسِ انسانی سرمدیّت کے حامل ہیں۔

۲۰۔ حکما کی رو سے نفس و روح کا انجام۔

یہ کل بیس فلسفیانہ مسئلے ہیں۔ ان میں سے ہر مسئلے کے الگ الگ ضمنی اور ذیلی عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔ کتاب ۲۱۹ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں ۸۸ صفحات کا مقدمہ شامل ہے۔ فہرستِ مضامین کے چھ صفحے اس کے علاوہ ہیں۔ اس طرح کل ۲۲۵ صفحے بنتے ہیں۔

مولانا ندوی کی یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۴۷ء میں چھپی۔

عقلیات ابن تیمیہ:

مولانا کو متقدمین میں سے جن حضرات سے قلبی لگاؤ ہے، ان میں ایک امام ابن تیمیہ ہیں جو علم و کمال اور عمل و سیرت کے اعتبار سے ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔ مولانا ان کی تصنیفات افکار و نظریات اور عقائد و تصورات سے بے حد متاثر ہیں۔ اُن کے منطق و فلسفے کی فراوانیوں کا بھی ان پر انتہائی اثر ہے۔ اس کتاب میں اُنھوں نے امام کے حالات و سوانح سے زیادہ تعرض نہیں کیا کہ اس

ضمن میں تین چار کتابیں معرضِ اشاعت میں آچکی ہیں ۔ مولانا نے اپنی طبع مشکل پسند کے مطابق صرف امام کی منطق و عقلیات اور فلسفہ و حکمت کو موضوعِ بحث ٹھہرایا ہے کہ اس پر اردو میں (یا غالباً کسی زبان میں بھی) کوئی کام نہیں ہوسکا ۔ کوئی شک نہیں کہ امام ابن تیمیہ سے متعلق اس پر مولانا کا یہ اوّلین کارنامہ ہے ۔

امام ابنِ تیمیہ اپنے دور کے بہت بڑے مفسر، جلیل القدر محدث، فقہ و اصول کے امام اور منطق و فلسفے میں مجتہدانہ نظر رکھتے تھے ۔ ۱۰ ۔ ربیع الاوّل ۶۶۱ھ کو حرّان میں پیدا ہوئے اور ۲۸ ۔ ذیقعد ۷۲۸ھ کو وفات پائی ۔ ان کا نام احمد، لقب تقی الدین اور کنیت ابوالعباس تھی ۔ ان کے حالات و سوانح میں عربی اور اردو کئی کتابیں لکھی گئی ہیں ۔

امام ابن تیمیہ کی جامعیّتِ تحقیق و ادراک کے دائرے نہایت وسیع بلکہ ہمہ گیر ہیں ۔ امام غزالی کے بعد یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اسلام کے نظامِ حیات کا انتہائی دقّتِ نظر سے جائزہ لیا اور بتایا کہ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف اور اصول کی تشریح و تبیین میں کن امور کو پیشِ نگاہ رکھنا ضروری ہے اور یہ کہ علم کلام یا عقائد میں وہ کون کون سے موڑ ہیں، جہاں مسلمانوں کے فکر و بصر کے قافلوں نے یونانی تہذیب و ثقافت کی پُرانی اور پٹی ہوئی راہوں سے ہٹ کر اپنے لیے جداگانہ اور منفرد راستہ اختیار کیا ۔

امام ابن تیمیہ وہ مردِ مجاہد ہیں جن کی حیاتِ مستعار کا ایک ایک لمحہ الحاد و زندقہ کے خلاف جہاد میں بسر ہوا ۔ انھوں نے جس کامیابی اور حُسنِ تدبیر سے کتاب و سنّت کے رُخِ زیبا کو نکھارا، بدعات کی پُر زور تردید کی اور اسلام کے چہرۂ روشن سے یونانیت اور عجمیّت کے دبیز نقابوں کو ہٹایا، یہ انھی کا حصہ ہے ۔

وہ جامعیّتِ علم و فضل اور وسعتِ فکر و نظر کی بنا پر اپنے عہد کے عظیم مجدد اور بہت بڑے مصلح تھے ۔ ان کے گوناگوں کارناموں میں ایک بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اُنھوں نے اپنے زمانے کی "عقلیات" کو کمال ژرف نگاہی سے کھنگالا اور تنقید و احتساب کی کسوٹی پر رکھا، اور ثابت کیا کہ اس کے مقابلے میں اسلام کا عقلی موقف کہیں زیادہ صحیح، کہیں زیادہ استوار اور متوازن ہے ۔ مولانا ندوی نے "عقلیاتِ ابن تیمیہ" میں اسی کی وضاحت کی ہے ۔

یہ کتاب آٹھ فصلوں پر محتوی ہے اور ہر فصل میں الگ الگ ضمنی عنوانات قائم کیے گئے ہیں، جن کی مجموعی تعداد ۱۷۸ ہے ۔ فہرستِ مضامین اور مقدمے سمیت یہ کتاب ۳۸۵ صفحات پر مشتمل ہے ۔ اردو زبان میں امام ابن تیمیہ کی منطق و عقلیات سے متعلق یہ اوّلین کتاب ہے ۔ پہلی مرتبہ ۱۹۶۶ء میں ادارہ ثقافت

اسلامیہ کے اہتمام میں شائع ہوئی ۔

افکارِ ابن خلدون:

بہ اعتبار ترتیب کے مولانا کی یہ دوسری کتاب ہے جو ادارہ ثقافت اسلامیہ کی طرف سے شائع ہوئی ۔

ابن خلدون عمرانیات و اجتماعیات کے ماہر اور تاریخ اور فلسفۂ تاریخ کے عدیم المثال عالم تھے ۔ ان کی " تاریخ ابن خلدون " نے جو شہرت حاصل کی ، اس سے کہیں زیادہ " مقدمہ ابن خلدون " نے تداول و قبولیت کی منزلیں طے کیں ۔

ابن خلدون ماہ رمضان ۷۳۲ھ کو تیونس میں پیدا ہوئے اور ۸۰۸ھ کو وفات پائی ۔ اُنھوں نے بھرپور زندگی گزاری ، بہت سی اونچی شخصیتوں سے تعلقات استوار کیے ، بعض ملوک و سلاطین سے روابط بڑھائے ، کئی ملکوں کی سیاسیات میں دخیل ہوئے اور ان میں عجیب و غریب کردار ادا کیا ۔

مولانا محمد حنیف ندوی نے " افکار ابن خلدون " میں مقدمہ ابن خلدون کے بعض اہم حصّوں کو خلعتِ اردو سے مفتخر کیا ہے ، جن کے عنوانات یہ ہیں ۔

۱ ۔ تاریخ کیا ہے ۔ ؟

۲ ۔ انسان مدنی الطبع ہے ۔

۳ ۔ موسم و ہوا کا اثر اخلاق و اطوار پر ۔

۴ ۔ غذا کی فراوانی و عمدگی اور روایت و کمی کا اخلاق پر اثر ۔

۵ ۔ نبوت کے علائم و خصوصیّات ۔

۶ ۔ حقیقت نبوّت ۔

۷ ۔ دیہاتی اور شہری کی تقسیم معاشی و ثقافتی ہے ۔

۸ ۔ اہلِ بادیہ کی اوّلیت ۔

۹ ۔ سادہ زندگی میں خیر کے پہلو زیادہ قوی ہیں ۔

۱۰ ۔ انسان اپنے حالات کا نتیجہ ہے ۔

۱۱ ۔ احکام کی جبریہ پیروی سے نفسِ انسانی ذلیل ہو جاتا ہے ۔

۱۲ ۔ عصبیّت کی اخلاقی اہمیت ۔

۱۳ ۔ تہذیب و ثقافت کا اثر شجاعت و بسالت پر ۔

۱۴ ۔ تقلیدِ اقوام اور اُن کا فلسفہ ۔

۱۵ ۔ عرب ۔

۱۶ ۔ عربوں میں اصلاح کا ایک ہی انداز تھا ۔

۱۷ ۔ دین سے سیاسی قوت میں اور اضافہ ہوتا ہے ۔

۱۸ ۔ توسیع مملکت کی طبعی حد ۔

۱۹ ۔ اشخاص کی طرح سلطنت و ریاست کی بھی ایک عمر ہوتی ہے ۔

۲۰ ۔ گزشتہ قومیں جسمانی قوتوں کے اعتبار سے ہم سے زیادہ مختلف نہیں تھیں ۔

۲۱ ۔ بادشاہ ، اس کی تعریف اور ضروری اوصاف ۔

۲۲ ۔ حکومت کی تین صورتیں ۔ ملوکیت ، سیاستِ عقلی اور خلافت ۔

۲۳ ۔ خلافت کے شرائطِ انعقاد ۔

۲۴ ۔ خلافت ، ملوکیت کی طرف کیوں لوٹی ۔ ؟

۲۵ ۔ عہدِ صحابہ کی لڑائیاں اور ان کا دینی موقف ۔

۲۶ ۔ عہد خلافت کے بڑے بڑے دینی عہدے ۔

۲۷ ۔ احتساب کے حدود ، اسلامی حکومت میں ۔

۲۸ ۔ خلافت کے لیے مختلف القاب کیوں کر پیدا ہوئے ۔ ؟

۲۹ ۔ محصولات کی کثرت عمرانی کوششوں پر اثر انداز ہوتی ہے ۔

۳۰ ۔ ظلم سے عمرانی تگ و دو میں رکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے ۔

۳۱ ۔ رزق کی حقیقت ۔

۳۲ ۔ علوم و فنون کی تحصیل انسان کا فطری تقاضا ہے ۔

۳۳ ۔ تعلیم کا فطری طریق ۔

۳۴ ۔ تعلیمی سختی سے بچوں میں اخلاقی برائیاں پیدا ہوجاتی ہیں ۔

۳۵ ۔ ایک ہی فن میں شروح و حواشی کی کثرت علم کے لیے سخت مضر ہے ۔

۳۶ ۔ اختصارِ فنون کا عیب ۔

۳۷ - تفسیر اور اس کی دو قسمیں -

۳۸ - علومِ حدیث -

۳۹ - آئمہ فقہ -

۴۰ - فقہ و قیاس کی شرعی بنیادیں -

۴۱ - علم کلام -

۴۲ - تصوّف -

یہ موٹے موٹے بیالیس عنوانات ہیں جو مولانا ندوی نے ترجمے کے لیے مقدمہ ابن خلدون سے منتخب کیے - اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کا معیارِ اخذ و انتخاب کتنا اونچا، کس قدر صحیح اور اپنے اندر کس درجے استحکام اور استواری لیے ہوئے ہے - ان عنوانات میں بہت سے ضمنی عنوانات بھی ہیں -

زبان اتنی صاف، شگفتہ اور سلیس ہے کہ قاری کو کہیں شبہ نہیں پڑتا کہ یہ ترجمہ ہے -

افکارِ ابن خلدون پر اکہتر صفحات کا مبسوط مقدمہ ہے، جس میں ابن خلدون کے حالات و سوانح، ان کے افکار و نظریات اور ان کی اصطلاحات کی وضاحت کی گئی ہے - نیز بتایا گیا ہے کہ عمرانیات و اجتماعیات میں ان کا مرتبہ کتنا بلند تھا، مختلف ملکوں کی سیاسیات میں اُنھوں نے کیا کردار ادا کیا، تاریخ کے تسلسل کو کس قدر آگے بڑھایا اور اس میں کن نئی قدروں کا اضافہ کیا -

غرض مولانا نے ابن خلدون کی سرگزشتِ حیات کے تمام پہلوؤں کو مقدمۂ کتاب میں اجاگر کیا اور ان کے خیالات و تصورات کے ہر گوشے کا کھل کر تجزیہ کیا ہے - اور یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے، جس کے خود اپنی نظر و بصر کے زاویے وسعت پذیر ہوں اور اس کے علم و مطالعے کا دامن ہر سو پھیلا ہوا ہو -

بحمد اللہ مولانا محمد حنیف ندوی ان اوصاف سے پوری طرح متّصف ہیں اور اس نوع کی خدمت علمی بہ طریقِ احسن سر انجام دینے کا کامل استحقاق رکھتے ہیں -

" افکارِ ابنِ خلدون " پہلی دفعہ ۱۹۵۴ء میں شائع ہوئی - فہرستِ مضامین اور مقدمے سمیت یہ کتاب ۲۳۳ صفحات پر محتوی ہے -

مکتوبِ مدنی :

الہٰیّات کے سلسلے میں یہ بحث خاص طور سے بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ اللہ تعالیٰ اور

کائنات میں ربط و تعلق کی نوعیت کیا ہے؟ اس ضمن میں ابن عربی نے "وحدتِ وجود" کا نظریہ پیش کیا ہے، جس کا دو لفظوں میں مطلب یہ ہے کہ بحرِ وجود دراصل ایک ہے اور تمام کائنات اسی بحرِ بیکراں کی موجیں ہیں۔

مجدد الفِ ثانی نے اس کے مقابلے میں "نظریۂ شہود" کی وضاحت کی ہے، جس میں دو وجود ہیں۔ ایک مادی دُنیا کا اور دوسرا حقیقت ورا الورا کا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ان دونوں نظریّوں کے درمیان تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔ شاہ صاحب سے اس دور کے معروف عالم اسماعیل بن عبداللہ آفندی رومی مدنی نے اس سلسلے میں سوال کیا تو انھوں نے بذریعہ مکتوب اس کا تفصیلی جواب دیا جو کتابی شکل میں اشاعت پذیر ہوا۔ یہ مکتوب عربی زبان میں ہے اور "مکتوب مدنی" کے نام سے موسوم ہے۔

مولانا حنیف ندوی نے شاہ صاحب کی اس اہم علمی کاوش کا شگفتہ اور سلیس اردو ترجمہ کر دیا ہے۔ وحدتِ وجود اور وحدتِ شہود کے موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے اس کا مطالعہ نہایت مفید ثابت ہوگا۔

"مکتوبِ مدنی" ۷۶ صفحات میں پھیلا ہوا ہے۔ پہلی مرتبہ اسے ۱۹۶۵ء میں ادارۂ ثقافت اسلامیہ کی طرف سے شائع کیا گیا۔

مولانا محمد حنیف ندوی کی یہ پندرہ کتابیں ہیں، جن کا مختصر الفاظ میں تعارف کرایا گیا ہے۔ مجموعی اعتبار سے یہ کتابیں چار ہزار آٹھ سو (۴۸۰۰) صفحات پر مشتمل ہیں۔ یہ تمام کتابیں ادارہ ثقافت اسلامیہ کے اہتمام میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئیں۔ ادارے کے لیے (۱۹۵۱ء سے ۱۹۸۶ء تک) مولانا کی پینتیس سالہ خدمات کا یہ عظیم القدر نتیجہ ہے۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ کے دو ماہانہ رسالوں ــ ثقافت اور المعارف ـ میں ان کے بہت سے مطبوعہ مضامین اور لسان القرآن کی تیسری جلد کے ایک سو غیر مطبوعہ صفحات اس کے علاوہ ہیں۔

آخر میں یہ بتانا ضروری ہے کہ ادارہ ثقافت اسلامیہ سے انسلاک کے بعد مولانا تین مرتبہ شدید بیماری سے دوچار ہوئے۔

پہلی دفعہ ۶۱-۱۹۶۲ء میں ان پر تبخر کا حملہ ہوا، جس کی وجہ سے دس گیارہ مہینے صاحبِ فراش

رہے اور کوئی کام نہیں کر پائے۔

دوسری مرتبہ ۷۶ ، ۱۹۷۷ء میں بیمار ہوئے اور سات آٹھ مہینے بیمار رہے۔ اس اثنا میں بھی کوئی تحریری کام نہیں ہو سکا۔

اب تقریباً ایک سال سے پھر بیمار ہیں۔ نہ لکھنے پڑھنے کی ہمت باقی رہی ہے اور نہ چلنے پھرنے کی سکت ۔ ! ایلوپیتھی ، ہومیوپیتھی اور یونانی ہر قسم کے علاج کرائے اور لاہور کے مشہور معالجوں کے زیر علاج رہے، لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا ۔ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۸۶ء کو مولانا علاج کے لیے لندن گئے۔ ان کی صاحب زادی ورده ضیا وہاں مقیم ہیں۔ لندن جا کر پہلے مثانے کے سپیشلسٹ ڈاکٹر سے ربط قائم کیا۔ اس لیے کہ لاہور کے ڈاکٹروں کی تشخیص کے مطابق انھیں مثانے کی تکلیف تھی۔ لیکن لندن کے ڈاکٹر نے تمام ٹیسٹ مکمل کرنے کے بعد بتایا کہ مثانے کی تکلیف نہیں ہے، معدے کی تکلیف ہے۔ اب اس کی ہدایت کے مطابق معدے اور آنتوں کے ماہر سے رجوع کیا گیا تو پتا چلا کہ جو آنت معدے کو خون مہیا کرتی ہے وہ سکڑ گئی ہے۔ جب وہ کھلتی ہے تو افاقہ ہو جاتا ہے اور جب بند ہو جاتی ہے تو تکلیف بڑھ جاتی ہے۔ لہٰذا اس آنت کا علاج ہونا چاہیے۔ اس کے لیے ڈاکٹر نے دوائیں لکھ دی ہیں اور خوراک وغیرہ کے سلسلے میں ہدایات دے دی ہیں۔ اور مولانا ۷ر جنوری ۱۹۸۷ء کو واپس لاہور آ گئے ہیں ۔ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق علاج ہو رہا ہے ۔

مولانا ندوی نے ۱۹۷۹ء میں "لسان القرآن" کے کام کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس وقت ان کی عمر اکہتر برس کی تھی۔ آغازِ کار ہی میں مجھ سے کہا کہ یہ اہم کام عمر کے آخری حصے میں شروع کر رہا ہوں اور قلب و ضمیر کی شدید طلب سے مجبور ہو کر کر رہا ہوں۔ دُعا کرو، اللہ تعالیٰ میری یہ دلی تمنا قبول فرمائے اور یہ اہم کام بخیر و خوبی اختتام پذیر ہو ۔ میں نے اپنی عادت کے مطابق بے تکلفی سے عرض کیا کہ شیر شاہ سوری ستر سال کی عمر میں ہندوستان کا بادشاہ بنا تھا، جب کہ اس کی زندگی کا سایہ ڈھل چکا تھا۔ وہ آئینہ دیکھ کر کہا کرتا تھا کہ " مجھے اس وقت حکومت ملی، جب میری زندگی کی شام ہو چکی ہے ۔" اس کا دورِ حکومت صرف پانچ سال پر مشتمل ہے۔ لیکن اس مختصر مدت میں اس نے بے پناہ کام کیا اور ہندوستان میں ایک بالکل نئے طریقِ حکومت اور انوکھے اسلوبِ حکمرانی کی طرح ڈالی، جسے برصغیر کی تاریخ سیاست میں ایک اہم باب کی حیثیت حاصل ہے۔ میں نے مولانا سے عرض کیا، گھبرائیے نہیں، اللہ تعالیٰ آپ سے بھی ان شاء اللہ مزید بہترین کام لے گا۔

دُعا ہے اللہ تعالیٰ مولانا حنیف ندوی کو شفائے کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے اور لسان القرآن کے اہم کام کو مکمل کرنے کی توفیق سے نوازے جو اُنھوں نے اپنے قلب وضمیر کی شدید خواہش کے تحت شروع کیا ہے اور جس کی تمنائے تکمیل کا جذبہ ان کے دل کی گہرائیوں میں بدرجہ غایت شدت سے مچل رہا ہے۔ آمین یا ارحم الراحمین۔ واشف انت الشافی لا شفاء الا شفاءک، شفاء لا یغادر سقما اذھب الباس رب الناس۔